C.1598

[illegible]

[illegible]

مصنفہ حکیم الامت حضرت مولانا [illegible]

باہتمام [illegible]

سنہ [illegible]

[illegible] پریس [illegible] میں چھپا



۲۹۷۰۱
ع ن

فلسفۂ زندگی

دنیا میں رشد و پیشواؤں کی کمی رہی ہے نہ ان کے ماننے والوں کی کمی۔ کیا حق ہے جو دوسروں کے انتخاب و پسند کی خوردہ گیری کرے۔ لیکن شیعوں کے نقطۂ نظر سے حقیقی رہبر و پیشوا وہ ہے جس کے فلسفۂ زندگی کا عام انسانوں پر یہ اثر پڑے، اور عالم بشر کے لیے اس کی افادیت یکساں ہو۔ انسانی جذبات کو ابھارنے میں پوری قوت رکھتا ہو۔ ہر انسان کو یکساں طاقت دے سکے۔

تہذیب و شرافت ہر انسان میں پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت ہو۔ انسانی کمزوریوں سے بچا سکے۔ اس کی تعلیم دنیا بھر کو عظیم ترین مسائل کے حل کرنے میں مدد دیا کرے۔ ہر انسان کو اپنے اہم مقاصد کے حل کرنے میں اہلیت پیدا کرے۔ وہ حقیر شکایات ذاتی کے مٹانے اور وسیع النظری پیدا کرنے میں معین ہو۔ صبر و استقلال، ایثار و قربانی کی مکمل تعلیم دے۔

شیعہ، ان خصوصیات کا بدرجہ اتم حضرت علیؑ و آلِ علیؑ کو مکمل نمونہ سمجھتے ہیں۔ اور اختصار سے ان کے اقوال و اعمال کو پیش کر کے عام انسانوں کو متوجہ کرتے ہیں کہ ہر شیعہ زندگی کے لئے حیاتِ عمل کا ان رہبرانِ کامل، ہادیانِ حق سے پیغامِ عمل حاصل کریں۔

"حضرت علی مرتضیٰؑ کی عملی زندگی ہماری کتاب "انسانِ اعظم" اور کتب سیر و تواریخ میں دیکھو۔ اور ان کے ارشادات "نہج البلاغہ" اور "دیوانِ علیؑ" اور کتب تواریخ و احادیث میں مطالعہ کرو۔ ہم اس وقت پر "دیوانِ علیؑ" سے صرف چار شعر نقل کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شیعوں کے تمدن کا اساس کیا ہے جو ان اشعار میں ارشاد ہوا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

دوائك فيك وما تشعر   وداءك منك وما تبصر

جس معلم و پیشوا کی یہ تعلیم ہو کہ پژمردہ، مایوس، کمزور و حیا بھرا، بیجبر و مضطرب و بیچین، ناامید و ناپسند، حیران و پریشان انسان کو تسلی و اطمینان دے۔ پژمردہ کو فرحت و انبساط بخشے۔ ناامیدی کو کامرانی و کامیابی سے بدل دے۔ کمزوری و ضعف کو قوت و توانائی سے مبدل کرے۔ جاہل کو عالم بنا دے۔ سوتوں کو جگا کر ہوشیار کر دے، مضطرب و بیچین کو مطمئن کر دے۔ غیر اس سے مستغنی و بے نیاز کر دے۔ بیشک ہم رہبرِ کامل اور انسان کے لئے ہادیِ برحق ہے۔

عمرانیات کے یہی اساس ہیں، اور حیاتیات نفسیات کے تمام لوازمات کا اسی پر انحصار ہے جس کو علی بن ابی طالبؑ نے چار شعروں میں ادا کر دیا ہے، اور عام انسانیت کو وہ سبق پڑھایا ہے جو ہر ایک کے لئے ہر جسمانی و روحانی و اخلاقی، تمدنی و معاشرتی، معیشتی زندگی کے لئے مکمل دستور العمل ہے۔

مذکورہ شعر کا ماحصل یہ ہے کہ تیرے ہر مرض کی دوا تجھی میں موجود ہے لیکن تو سمجھتا نہیں ہے، اور ہر مرض کو تو ہی پیدا کرتا ہے جس کو غور سے تو دیکھتا نہیں ہے۔

انسان کے ہر مرض درد دکھ کا مادی ہو یا روحانی خود اسمیں شافی علاج اور صحت بخش و حیات آفرین تدارک موجود ہے جسکو غافل انسان نہیں سمجھتا، ورنہ اس کے تمام پیدا کردہ امراض جو بے احتیاطی اور اصول حفظان صحت کی مخالفت و بے اعتنائی سے پیدا ہوتے ہیں سب کا وہ خود علاج کر کے زوال مرض کرنے پر قادر ہے، اور صحیح و تندرست بغیر معالج کی مدد کے بن سکتا ہے۔ اور حیات صالح و بقائے صالح کا مالک ہو کر حیات جاودانی پا سکتا ہے۔ "تشعر دا" اور "تبصر دا" دونوں لفظیں شعر کی جان ہیں، "تشعر دا" علوم نظریہ کی تحصیل اور "تبصر دا" علوم تجربیہ کی طرف اشارہ ہے۔

بے علمی، جہالت، کور ذہنی ہی تمام امراض روحانی و مادی کی

تخلیق کرتے ہیں، اور جہاں علم وشعور، تدبر صحیح، تفکر وتعقل ہو وہاں کوئی مرض قریب نہیں آسکتا۔

اگر ذہنی غفلت، تساہل، کاہلی، اور مخفی اسباب وعلل کی وجہ سے نفسیاتی، روحانی یا مادی مرض آبھی جاوے تو نہایت جلا لاکی ہوشیاری عقلمندی سے فوری علاج ودوا بھی ممکن ہے۔ دیکھو ماہرین علوم نفسیاتی، روحانی، وروحانی، جسمانی کس طرح سے ان امراض کو دور کرنے، اور ان سے بچنے، اور حفظان صحت کے اصول رکھنے پر کس قدر حاوی، غافلوں کی بہ نسبت محفوظ رہتے ہیں۔ اور اگر یہ قوت علمیہ وادراک، وشعور وتمیز، وتفکر درجہ کاملہ پہ پہونچ جاوے تو ایسے افراد کا کیا کہنا۔ شیعہ ایسے گروہ کو معصوم اور ایسی قوت کاملہ علمیہ کو عصمت کہتے ہیں، جو انبیاء ومرسلین اوصیاء وائمہ طاہرین کا درجہ تھا۔

اور غفلت وتساہل کو وہ اپنے درجہ کاملہ علمیہ کا نقص سمجھتے ہوئے اپنے کو خاطی، قصوروار، اور انسانیت کاملہ کا گناہ وجرم سمجھتے تھے۔ جس کو قرآن مجید نے بھی بعض موقعوں پر انبیاء کی خاص حالتوں کو مذکورہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے، لیکن درحقیقت وہ خدائی گناہ یا عام انسانی گناہ ہرگز نہ تھے۔

نفسیاتی اخلاقی روحانی امراض	کبر، نخوت، تنگی، ترشی، تفوق، بغض، حسد، کینہ،

نفاق، ظلم، عداوت، حسد، نامردی، بخل، بے صبری، بے حیائی، خودغرضی، خودپسندی، شقاوت، قساوت، خیانت، عیب جوئی، سستی، کاہلی، جہالت، رذالت، دنائت، سبہ مروتی، بے اعتمادی، بے وفائی، لالچ، خوشامد، چاپلوسی، حق فراموشی، ناحق کوشی وغیرہ وغیرہ جتنے بھی نفسانی و روحانی و اخلاقی و تمدنی امراض ہیں، سب کے سب شریر النفس انسان میں موجود ہیں، اور خود انسان کے پیدا کردہ ہیں، کہیں باہر سے نہیں آتے ہیں۔

ان کی تخلیق انسان کی شرارت نفس کے باعث ہے اور ان کا گروانا پن ان امراض و عیوب کو اس کے سامنے نہیں آنے دیتا انسان کی ناسمجھی، بے شعوری، اس کی رذالت، دنائت کو محاسن و محامد کے قالب میں ڈھال کر خسر الدنیا والآخرۃ بنا دیتی ہے اور انسان اشرف المخلوقات کو جامہ حیوانیت پہنا دیتی ہے، جو فطرتاً سعادت مند ہیں۔

(السعید سعید فی بطن امه والشقی شقی فی بطن امه)

وہ بطن مادر سے سعید ہیں، اور اس سعادت کو پیدا ہو کر تربیت کرتے اور ترقی دیتے رہتے ہیں، وہ نیکوکار متقی و پرہیزگار بندے ہیں اور ان میں بھی درجہ کاملہ کی سعادت پر فائز بندے اولیاء اللہ و خاصان خدا اور معصوم ہستیاں ہیں، اور جو شکم مادر سے شقی ہے، یعنی علم الٰہی میں اس کی شقاوت ناقابل علاج ہے، وہ پیدا ہونے پر سدا سے

رذالت وشقاوت کے کبھی اکتساب فضائل وسعادت پہ متوجہ ہی نہ ہوگا۔

غرضیکہ انسان کی قوت وشعور کامل ہوتی، صحیح عقل وتدبر انسان کی اہمالی کرتا، تو بیشک وہ جملہ امراض سے خود نجات حاصل کرتا۔ کسی راہبر، ہادی ومصلح کی ضرورت نہ ہوتی، اور انسانیت کے اعلیٰ مدارج پہ فائز ہوکر ہر شعبہ حیات کو بلند ترین معیار پر تعمیر کرسکتا ہے۔

تم کو ہر قوم وملت میں ایسے نمونے ملیں گے جو عام سطح انسانیت سے بلند پیشوائے قوم اپنی ذاتی جدوجہد وشعور کامل کی وجہ سے بنے ہیں، کسی کی تعلیم وتعلم کی وجہ سے نہیں بنے۔

کیا کتنا اس تمدن وعمران کا جس کی فرد فرد ایسی حساس ومدبر وذی شعور ہو جاوے جو کسی معالج کی محتاج نہ رہے۔ اپنا سلامتی نفس وروح کی خود ضامن ہو، بقائے مصالح وحیات، احیاء ودوام اسی کے لئے ہے، فخر ملک واشرف المخلوقات وہی ہے جو خارجی مصلحوں معالجوں سے اپنے صحیح شعور کی وجہ سے بے نیاز ہو جاوے، اور دوسروں کا سہارا نہ ڈھونڈے، غیروں کا منہ نہ تکے، یہی زندگی کا بہترین فلسفہ ہے، اور بدترین فلسفہ زندگی کا یہ ہے کہ جس میں یہ اعتقاد ہو کہ بیچارگی تمام بنی آدم کا وجود کسی دوسرے کا رہون منت ہو۔

اس اعتقاد سے صاف لازم آتا ہے کہ انفرادی حیثیت سے اس قوم کی انفرادی زندگی برباد وتباہ رہے گی، اور ہر ترقی اس کی علیحدہ علیحدہ

کسی بڑی ذات سے وابستہ رہے گی، اسی جذبہ کی کارفرمائی ہے کہ
دنیا میں آئے دن برساتی مینڈکوں کی طرح سے پیشواؤں اور رہبروں
کی پیداوار ہوتی رہتی ہے اور بھولی بھالی قوم آنکھ بند کئے ہر ایک
کے پیچھے دوڑنے کو تیار رہتی ہے۔

ایک دوسرے موقع پر جناب اثیر نے ایک شعر میں کیا خوب
فرمایا ہے، ؎

قد مات قوم وما مات مکارمهم　　وعاش قوم وهم فی الناس اموات

قومیں مر جاتی ہیں اور ان کے مکارم اخلاق زندہ رہتے ہیں، اور ایسے
اقوام بھی ہیں جو ہم میں زندہ موجود ہیں، لیکن مردوں کے مانند ہیں۔
یعنی اصلی زندگی تو یہی ہے کہ اس کے اخلاق تا جملہ صفات عالیہ
اصول کامل ہر زمانے میں موجود رہیں، جن پر آنے والی نسلیں قوم تعمیر
کا اساس قائم کریں اور اپنی زندگی کا ثبوت دیں، اور بے سود بست
و ناکارہ قوم کی زندگی، انسانیت کے لئے بدنما داغ اور حیوانی زندگی
سے جس کا بقا آئندہ نسلوں کے لئے اخلاقی موت کا سبب ہوتا ہے۔

زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے ایک اہم شرط یہ ہے کہ
انسان خودغرض نہ ہو، یعنی آنے والی نسلوں کی بھلائی کو اپنی بھلائی
پر ترجیح دیتے ہوئے میدان عمل میں گامزن ہو، آئندہ نسلوں کی بھلائی
ترقی، شرف وعزت اور اس کے بقا کی کوشش کرنا انسانی زندگی کا
سچا فلسفہ ہے۔

ہر انسان کو اپنی کارگذاریوں، محنتوں، تکلیفوں کو اس لئے
برداشت نہ کرنا چاہیئے کہ آنے والی نسلوں پر اپنی منت و احسان
رکھے، جو شخص بنی آدم کی تربیت و اصلاح کرے اس کا نظریہ یہ ہونا
چاہیئے کہ اس کی مسرت اور ذاتی خوشی اسی میں ہے کہ آنے والی
نسلوں کے لئے اپنے اخلاق حسنہ چھوڑ کر دنیا سے جاوے، اور ان کی
کامیابی و کامرانی کے لئے اپنا عملی نمونہ چھوڑ جاوے، اور جو شخص جو
اپنے قوم و ملک اور آئندہ نسلوں کے لئے بہتری کو مدنظر نہیں رکھتا،
اور اپنے ذاتی اغراض کی تحصیل میں مصروف رہتا ہے، وہ مردہ ہے،
یا جو اپنے ملک و قوم کی بھلائی چاہتا ہے، اور دنیا کی ہر قوم سے غافل
ہو جاوے وہ بھی فلسفہ زندگی کو نہیں سمجھتا ہے۔

اس میدان میں کام کرنے سے ہرگز محنت ضائع نہیں ہوتی
ہے جو دنیا میں ہر ملک و قوم کی بھلائی کے لئے خدمت کرے گا، اسکو
کامیابی ہوگی، اور اسی میں اس کے ملک و قوم کی بہبودی کا بھی مضمر ہے
اگر اقوام عالم کا نصب العین امن و امان، ہم آہنگی، اتفاق و
موافقت نہیں ہے تو کوئی قوم کتنی ہی جدوجہد کرے، امن حاصل
نہیں کر سکتی۔

امن و سلامتی تو انھیں طریقوں سے ممکن ہے جو امن کی
راہ سے ہوں، لڑائی کو امن کا ذریعہ بنانا ہرگز کامیاب نہیں ہے۔
ایک واقعہ جو بہت دور کا معلوم ہوتا ہے کسی نہ کسی دن وہ مقامی

لوگوں پر بھی ضرور اثر ڈالے گا۔

ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ اگر دوسرے مقام پر نا امنی، بداخلاقی، کثرت جرائم ہے تو ہم کو اس کی کیا پرواہ ہے، بلکہ یہ تصور کرنا چاہیے کہ وہ بدامنی اپنے ہی ملک میں ہے؛ چاہے اس کی جائے وقوع کتنی ہی دور کیوں نہ ہو۔

یہی وہ کلیہ ہے جو ملک، حکومت، اور ہر انسان کو خود غرضی سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ فوج کا سپہ سالار اپنی فوج کی کب کمان کر سکتا ہے جس کو دوسرے ملکوں کی حالت سے بے خبری ہو، اور اپنی بھلائی و خود غرضی میں اتنا دیوانہ ہو کہ دشمن کی فوج اور ملک کی بجائے اصلاح بربادی پر تل جاوے جیسا کہ اس دور تمدن و تہذیب میں سفاکی بے رحمی، درندگی کو محاسن جنگ سے شمار کیا جاتا ہے۔ وقتی مادی فتح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روحانی شکست اور انسانیت کی شکست ہے، اور یہ بھولا آنے والی نسلوں کے لئے موجب نفرت و ملامت ہے۔

چند روزہ اس بیہادہ و خود غرضانہ طریق سے فتحمند ہونا آیندہ کے لئے اسی قوم و ملک کے لئے اسی ہیبت کا شکار ہونا لازمی ہے۔

لہذا صحیح فلسفہ زندگی تو یہی ہے کہ جس کو علی ابن ابی طالب نے مذکورہ شعر میں بیان فرمایا ہے۔ " قومیں تو مر جاتی ہیں، لیکن ان کے محاسن زندہ رہتے ہیں۔"

حبش کو اٹلی کھا جاوے، چین کو جاپان نگل لے، اسپین کو فرانکو تباہ کر دے، ہٹلر و مسولینی عالم بھر کو ہضم کر جائیں لیکن وہ بھی آئندہ دوسروں کے لئے لقمہ تر ہوں گے جب پر تاریخی تجربہ شاہد ہے اور اپنی سفاکی و بہیمیت و خود غرضی کی داستانیں چھوڑ جائیں گے اس لئے کہ بقول حضرت علیؑ اُن کی زندگی مردوں کی سی ہے، بجائے انسانیت کو فائدہ پہونچانے کے انھوں نے ناامنی، ہلاکت و بہیمیت کو پھیلایا،

یہی حال تمام سامراجی حکومتوں کا ہے کہ انھوں نے بجائے انسانیت کی خدمت کے اپنی خدمت کی اور خود غرضی کا انتہائی مظاہرہ کیا، انسانیت سے علٰحدہ پسندی، اور قوم و ملک و وطن کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علٰحدہ بنانے کا یہ نتیجہ ہے کہ آج عالم بھر میں خود غرضی کا دور دورہ ہے، اور پارٹیوں کے لئے طاقت آزمائی کا میدان کھل گیا ہے، اقلیتوں کو اور کمزوروں کو جینے کا کوئی حق ہی نہیں رہا ہے گیا وہ انسانیت سے خارج ہیں،

تعلیم علوی میں ایسا ان چیزوں کی گنجائش کہاں وہ عام انسانیت کو ایک نظر سے دیکھتے، اور کشمکش حیات کے بڑھانے والے اسباب کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں۔ دوسرے شعر میں فرماتے ہیں ؎

اتحسب انک جرم صغیر — وفیک انطوی العالم الاکبر

تم اپنی چھوٹی سی خلقت اور کمزور ہستی کے خیال سے چھوٹے ہستے

کاموں اور اہم ترین فرائض اور سخت و دشوار ترین مہموں سے ڈر کر سپر انداختہ نہ ہو اور معطل و اپاہج بن کر نہ بیٹھو، اس لئے کہ اس عالم کبیر و نظام شمسی کی بڑی بڑی قوتیں جو کائنات میں منتشر موجود ہیں وہ سب کی سب تمھاری اس ننھی ہستی میں پنہاں اور موجود ہیں تم کو ان قوتوں کے استعمال کرنے اور آزمانے کا سلیقہ ہونا چاہیے، پھر تم دیکھ لوگے کہ کائنات کی یہ بڑی بڑی ہستیاں کس طرح سے تمھارے سامنے جھک پڑتی ہیں، اور خادمانہ طریق سے تمھاری غلامی کرتی ہیں سورج، چاند، ستارے، زمین، آسمان، پہاڑ، دریا، حیوانات نباتات، جمادات جو کچھ ان کی قوتوں سے بالاتر ہے وہ سب کا سب تمھارے سامنے سرنگوں ہے۔

تم کائنات کے ذرے ذرے سے خدمت کرا سکتے ہو، اور اپنی خداداد قوت روحانی و نفسانی ہو مانی سے کائنات کی تمام قوتوں کو زیر کرسکتے ہو، اس لئے کہ تم مجموعہ اُن تمام قوائے مادیہ کا ہو اور تمھاری قوت روحانی و نفسانی سب سے افوق و بالاتر ہے۔

فلسفہ طبعی و کیمیاوی نے جہاں تک تم کو مسئلہ آ دیا ہے وہ ہما تصدیق کے لئے کافی ہے۔ جوں جوں سائنس کی قوت بڑھے گی ارشاد علوم کی تصدیق میں رطب اللسان نظر آوے گی۔

دیکھو آج تک سائنس کے ذریعہ کس طرح سے انسان کی قوت و قدرت زیر اختیار میں قوائے مادیہ آچکے ہیں۔ سائنٹفک اصولوں سے

مادیات کی طبعی و کیمیاوی خواص و آثار کا کس طرح سے ذی شعور انسان مالک بن گیا ہے، اور جو قوتیں اور خواص و آثار اب تک انسان کے بس میں نہیں ہیں وہ معجزنما عالم بحقائق اشیاء کی نظروں سے کب پوشیدہ رہیں جن کو معجزنمایانہ انداز سے ظاہر بھی کیا گیا ہے اسلامی تاریخیں شاہد ہیں روحانیات سے جاہل خود پسند نہ مانیں تو حقیقت پر اُس نہ ماننے کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔

ہم مانتے ہیں، مادیات کا ذرہ ذرہ روح و نفس کا مالک ہے۔

(دیکھو ہماری فلسفۃ الاسلام علم الحیوان)

ایسی صورت میں منکر قوائے روحانیہ کو انسانی قوائے روحانیہ سے بے اعتنائی کیسی فاش غلطی ہے۔ حالانکہ مادیت تابع روحانیت ہے، اور قوائے مادیہ سے بہت زائد قوی ہیں۔ یہ مقام اُس کی تفصیل کا نہیں ہے۔ لیکن اتنا سمجھ لو کہ جملہ مادیات سے اگر انسان اشرف و افضل ہے تو اُس کی روحانیت بھی جملہ مادیات کی قوتوں سے قوی و بالاتر ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان میں مادیات پر تصرف اور اپنی طرف جھکانے کی قابلیت نہ ہوتی۔

جب انسان ضعیف البنیان کو یہ پیغام ملے گا کہ وہ حامل ہے تمام قوائے کائنات کا تو بتاؤ اُس کی بالیدگی، مسرت، سربلندی، تفاخر کی کیا حد ہوگی، اُس کے جذبات کس قدر ابھریں گے؟ اور کتنا ترفع ہوگا، اُس میں کتنی طاقت آ دے گی، شرافت و بزرگی کی

لتنی آہنگ ہوگی۔

وہ اپنی کمزوریوں کے دور کرنے میں کس قدر مستعد ہوگا۔ ملکی، معاشی، معیشتی، اقتصادی، سیاسی، گتھیوں کے سلجھانے میں کس قدر مہارت پیدا کرے گا، وہ ذاتی اور قومی اہم مقاصد کے حل کرنے میں کس قدر صلاحیت پیدا کرے گا۔ اس کی وسعت نظر کی حدو نہایت نہ ہوگی۔

اس کی نظر میں بڑی بڑی سلطنتیں عمر کی ... وہ ... اہمیت ہوگی۔ انسان کو کیوں وقار رکھتا۔ اس کی زندگی کے سامنے نقطوں کے نہ ملنے کی وجہ سے صرف لفاظی ہے۔ اس کے علم و حکمت و تدبر و تفکر کے مقابلہ میں کلی علم ہیچ ہوگا، اس کو عالم بکائنات و واقف بحقائق ہونے کی ہر دم کوشش ہوگی

وہ کائنات کے رازہائے سربستہ کی نقاب کشائی کے لئے مرمٹنے کو تیار رہوگا، وہ کائنات کی سرداری و حکومت کے لئے بیتاب ہوگا، وہ صبر و استقلال، ایثار و قربانی، ہمت و لیاقت و شجاعت کا پیکر بن کر خودداری کا مجسمہ ہوگا۔ وہ فلسفۂ زندگی کا حقیقی عالم و معلم ہوگا۔ وہ کائنات کی قوتوں کو اپنے میں موجود پاکر ان کے بیدار کرنے اور خود انسانی جسم میں تصرفات کرکے انسان سے ملک اور ملک سے نبی بن کر خدائی خلافت کا مستحق ہوگا، اور یہ وہ درجہ کمال انسانیت ہے جس پر رسائی خدا کا فضل و احسان ہے انسانی بس سے باہر ہے

وانت الکتاب المبین الذی باحرفہ یظہر المضمر

ارشاد ہے، اے جاہل و غافل انسان، تو کتاب وجودی کا ظاہر و روشن دفتر ہے جس کے ہر حرف سے تمام مخفی و پوشیدہ باتیں روشن و ظاہر ہوتی ہیں۔"

انسانی اعمال و کردار اس کی ضمیر و کیرکٹر کا آئینہ ہیں، تحریر و تقریر و اظہار و بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک صبر فوری اس کی زندگی سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ شخص کس درجہ اونچا ہے کا ہے۔ خوش آمدیوں کی مدح سرائی و قصیدہ خوانی دشمنوں اور بدگویوں کی مذمت و عیب جوئی بے حقیقت و بے اصل ہے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ انسان کے اعمال و افعال خود اس کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں۔

ہر انسان جملہ حالات و تعلقات انسانی اور جملہ حرکات و سکنات انسانی کا جو ازل سے اقوام گذشتہ اور انسان اول سے اس تک ظہور میں آئی ہیں، الیم اور خصائل انسانی کا دفتر ہے۔ اچھے برے ہر قسم کے اعمال و افعال جو بھی گذشتہ نسلوں سے کئے ہیں وہ سب ہر انسانی پیکر میں موجود ہیں، اور ہر انسان میں استعداد و قابلیت سعادت و شقاوت کی موجود ہے، کیونکہ نسل انسانی کی یہ بھی ایک کڑی ہے، اور تمام افراد انسان میں یکسانیت و یگانیت ہے۔ کسی قوم و ملت کسی ملک و مذہب کا ہو،

اس لئے کہ سب انسانیت میں برابر اور ایک ہی ماں باپ

کی اولاد اور ایک ہی نسل سے ہیں، اور سب میں برادری و مساوات ہے۔

اس دفتر انسانی کا ہر ہر حرف یعنی اُن کے حرکات سکنات عادات خصائل، اوصاف اعمال ہر قوم اور پچھلی ہر نسل کے حرکات و خصائل و اعمال و اوصاف کے مثل ہر شخص کرتے رہتے ہیں، اور پچھلے سبق بطور تناسخ دہراتا رہتا ہے۔ غور و فکر و سنجیدگی سے جانچو تو تم کو پتہ ملے گا کہ قرون اولیہ کی یاد مردہ نہیں ہوئی ہے، اور ہر انسان پچھلی یاد کو تازہ رکھتا ہے۔

بڑے بڑے فلاسفر ایک وقت انتہائی جہالت کی بات کر بیٹھتے ہیں، اور بڑے بڑے عقلمند و مہذب آن واحد میں جذبات کی رو میں انتہائی غیر معتاد اور نامہذبانہ افعال کر گذرتے ہیں۔ یہ کیا ہے۔ وہی زمانہ جہالت و بربریت کی یاد ہے۔

لہذا کسی قوم کا دوسری قوم پر فعلی تفاخر جیسی نسبی، وطنی، جغرافی ڈھونگ اور غلط ہے۔ یہ عرفی و جاہلانہ امتیازات نقل مکانی و نقل خاندان سے بدلتے رہتے ہیں۔ اور اقوام متمدنہ ایک وقت اپنے فضائل نفسانی و خصائص روحانی کھو کر پست ترین قوم اور غیر متمدن انسان بنجاتے ہیں۔

اسی طرح سے جاہل و غیر متمدن ایک وقت میں متمدن اور اقوام غیر متمدنہ کے لئے معلم ہوجاتے ہیں۔ پست ترین اقوام میں بڑے

بڑے مصلح ریفارمر لیڈر اور اعلیٰ قابلیت والے پیدا ہوتے رہتے ہیں جس کو قرآن مجید نے بھی صاف الفاظ میں فرمایا ہے۔

"تمام انسان ایک نسل سے ہیں اور ایک امت ہیں اور کوئی ایسی قوم نہیں ہے جس میں اسی قوم کا اسی زبان کا نبی، رسول و ہادی نہ بھیجا گیا ہو" یعنی ہر قوم میں مصلح یعنی ہادی پیدا ہونے کی اہلیت و قابلیت ہے۔ لہذا اقوام عالم میں اپنی پستی، کم ذاتی یا بے شرفی کا اعتقاد ان کی ہر ترقی کا مانع ہے۔ جب ان کو ایک سطح انسانی پر لایا جاوے گا، اور مساوات کی تعلیم ہوگی تو وہ پست قومیں بھی ابھریں گی اور تعلی و ترفع جتانے والی قومیں بھی جھکیں گی، اور تمام انسان ایک سطح پر مساویانہ حیثیت سے صف بستہ ہو جاویں گے، اور تمدنی نقائص کا بالکل استیصال ہو جاوے گا۔

جناب امیر نے ہر انسان کو کتاب وجود قرار دے کر یہ سمجھایا ہے کہ تم خود اپنے عادات، اعتقادات، حرکات و سکنات و اعمال کا جائزہ لو تو تم کو خود اچھے برے کا امتیاز ہوگا۔ اپنے اچھے اعمال و اکتساب سعادت سے اتنا ہی بلند اور مرتفع ہو سکتے ہو جتنا بلند و مرتفع تمہارے اسلاف صالحین تھے، اور بزرگوں کی نظیر بن سکتے ہو، اور اکابرین ملت کی جیتی جاگتی تصویر ہو جاؤ گے

فلا حاجة فی خارج   یخبر عنک بما یسطروا

جس وقت تم میں اس عالم کبیر اور کائنات کی تمام قوتیں موجود

ہیں، اور تم خود اگلے اور پچھلوں کے حالات کا دفتر ہو اور تم میں سب پچھلوں کی بزرگیاں موجود ہیں، اور پچھلوں کی زندہ ناسخ ہو تو تم کو کسی خارجی شئے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ہر شئے سے اور ہر علم و مدبر و مفکر و پیشوا سے مستغنی ہو کر اپنی کمزوریاں پستیوں، دنائت و کمینہ صفات کا خود علاج و اصلاح کر سکتے ہو، اور تمہاری احتیاجوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

دفترِ وجودی کی ہر ہر سطر تم کو ٹھوکر سے بچا دے گی اور ہر عیب سے باخبر کرے گی، علو نفس و بزرگی و برتری کا سبق پڑھاتی رہے گی، شرط یہ ہے کہ شعور صحیح ہو، بصارت کامل ہو، صحیح تدبر و تفکر کے عادی ہو۔ ہر رہبر و پیشوا کے پیچھے دوڑنے اور گمراہ کرنے والوں غلط کار لیڈروں سے بچتے رہو۔

سب سے پہلے تم اس لیڈر و پیشوا و رہبر کے فلسفہ زندگی کو جانچ لو اور دیکھو تمہاری روحانی اور مادی زندگی میں وہ اصلاح کی کتنی قوت رکھتا ہے۔

علوی تعلیمات کے نظم و نثر دفاتر میں سے صرف یہ چار شعر ایسے ہیں جو ہر انسان کے تمام زندگی کے شعبوں میں اصلاح و ترقی کے ضامن ہیں، اور حیات عمرانی و تمدنی کا اساس ہیں۔ تمام تمدنوں و عمرانیات کے دفاتر کا جائزہ لو، اور دیکھ لو سب کے سب اس مختصر تعلیم کے حاشیہ اور شرحیں ہوں گی۔ اور مذکورہ چار شعروں کے حدود احاطہ

سے باہر نہ ملیں گی۔

عملی تعلیم اس وقت تک نامکمل رہتی ہے جب تک اسی تعلیم کو عمل کر کے نہ دہرایا جاوے۔ اور علم و عمل کی ہم آہنگی ایک ہی آئینہ میں یکساں صورت نہ پیش کرے۔ اس لئے ضروری ہے کہ رسولی مشن کے چلانے والے ایک معلم کی تعلیم کو پیش کریں اور انھیں کے فرزند امام حسینؑ کی اعلیٰ تعلیم کو جو چند گھنٹوں میں کربلا کے میدان میں ظہور میں آئی پیش کر کے علمی و عملی دونوں نمونے دکھا دیں۔

چونکہ علوی تعلیم کا کمال منظر حسینی عملی تعلیم میں موجود ہے، لہذا بارہ اماموں میں ہم نے اسی مقدس ذات کا انتخاب کیا ہے شیعوں کا اعتقاد ہے کہ بارھویں امام کی علمی عملی زندگی یکساں و یک رنگ رہے۔ لیکن ان میں سے بعض کو موقع عملی و علمی تعلیم پیش کرنے کا ملا بعض کو صرف علمی موقع نہ عملی نہ ملا، اور بعض کو نہ علمی موقع ملا نہ عملی، قید خانوں اور مکانوں کی دیواروں میں، سخت پہروں اور روک ٹوک پر کب موقع مل سکتا ہے کسی علمی یا عملی تعلیم کا۔ لیکن ان کی یکسانیت یک رنگی کے اسلئے معتقد ہیں۔

(۱) اصول تعلیم سب کے یکساں تھے۔

(۲) ایک معلم نے اپنے بعد کے لئے جس کو نامزد کیا خواہ مخواہ اس کی اہلیت و قابلیت پر پورا اعتماد و بھروسہ کر کے کیا ہے۔

(۳) بقیہ اماموں کی شہادتیں اور قید کی سختیاں انھیں اصولوں

کی حمایت میں ہوئیں جو علوی تعلیم تھی۔

(۴۱) ان برگزیدہ ہستیوں کو جس وقت جتنا بھی موقع مل گیا، علمی و عملی تعلیم کا اس کہا حقہ سے نہیں جانے دیا، اور وہی تعلیم دی جو رسولِ خدا اور علی مرتضیٰ نے دی تھی۔

لہذا بارہ اماموں سے جس کسی کو علی مرتضیٰ یا امام حسینؑ کا سا ماحول ملتا۔ ہر ایک وہی کر کے دکھاتا جو مذکورہ دو اماموں نے کر کے دکھایا تھا، اور سر مو فرق نہ ہوتا، اور ایک دوسرے کی تصویر و نظیر ہوتا۔ ماحول کی مناسبت و موزونیت سے ہر ایک نے تعلیم دی ہے۔

امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ اور حضور امام رضا علیہم السلام کو موقع ملا تو علم کے دریا بہا دیے، بقیہ ائمہ کو قید سخت میں زندگیاں گذارنی پڑیں، لوگوں کی آمد و رفت میل جول کی سخت ممانعت روک دی گئی تھی، اس لئے ان کی تعلیمات کو نشر ناممکن ہوگیا۔ لیکن پھر بھی آنحضرت کے فلسفۂ زندگی پر تاریخی علمی روشنی ڈالی گئی۔ اسی قدر معلوم ہوگا کہ عالم کے معلمین، مفکرین، مدبرین و ریفارمرز ان میں ان اوصیائے رسولؐ و شاگردانِ رسولؐ کی حقیقی منزلت کیا ہے، اور ان پیشوایان عالم کی صف میں ان کو کون سی جگہ حاصل ہے۔

امام حسینؑ نے یزیدی مطالبات کو ٹھکراتے ہوئے اقوام عالم کو جو عملی دستور العمل دیا وہ غیر فانی سبق ہے۔ انھوں نے اپنی شہادت سے عام انسانیت پر وہ ہمہ گیر اثر ڈالا کہ دوست و

دشمن سے برابر کا خراج تحسین حاصل کیا۔ جب تک دنیا قائم ہے، حسینؑ کے فلسفۂ شہادت پر غور کرے گی تو اُمّت کو زندگی کے ہر شعبے میں مدد ملے گی۔

صبر، استقلال، ہمت، جرأت، آزادیٔ ضمیر، آزادیٔ فکر، شجاعت، ایثار، قربانی، ہمدردی، شکر و رضا، تحمل، خودداری، ثبات، قناعت، بردباری، تقویٰ، خداشناسی، خداپرستی، بے جگری و بے خوفی، امید و رجا، عزم کی پختگی، اخلاص، صداقت، شہامت، عفت، طہارت، حوصلہ مندی، حیا و غیرت، ذکاوت نفس، وفا، سیاست، وغیرہ وغیرہ کے وہ انمول سبق ملیں گے جن سے عالمِ انسانیت میں ایسی انقلابی روح پیدا ہو جاوے گی جس سے ما فوق دوسرے کو موقع نہ ملے گی۔ اور عالمِ انسانیت اُس کی بے نظیری کی تصدیق پر مجبور رہے گی۔

انسانیت کی انتہائی قوت برداشت و تحمل پر عالم سحر کی تصدیقی مہر ثبت ہو جاوے گی۔ اور حسینؑ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی سے انسان سربلندی میں ملائکہ سے بھی ممتاز نظر آوے گا، اور تمام کائنات میں اپنی وحدت و یکتائی کے ڈنکے بجاوے گا۔

دیکھو امام کی عملی تعلیم کے اثرات کو۔ کربلا میں بوڑھے، بچے، جوان، آزاد، غلام، عورتیں سبھی حسینی سیرت اختیار کر لینے پر اپنی بے نظیری میں یکساں، اور یک رنگی میں ایک جسم، ایک روح بن کر مظہرِ ذاتِ حسینی

بن گئے تھے۔ اور ہر ایک کی عملی زندگی آنے والی نسلوں کے لئے سرچشمۂ ہدایت تھیں۔

امام کی عملی زندگی انسان کے مردہ جذبات کو ابھارنے میں اتنی زیادہ کامیاب ہوئی کہ اموی قیدخانوں کے دروازے توڑ توڑ کر قیدیوں نے حریت و آزادی کے حاصل کرنے کے لئے اموی تخت و تاج کو الٹ دیا، اور مطلق العنان سرمایہ داری کو کاری ضرب لگائی، اور ہمیشہ ہمیشہ اس بھولے ہوئے سبق کو جو قوم دہرا دے گی کیسی ہی ضعیف و کمزور ہو اپنی عملی طاقت سے وہ کایا پلٹ سکتی ہے دیکھو تاریخوں کو وہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ شہادت امام کے بعد خود ان کے پشتینی دشمن اپنے سیاسی مقاصد کو حسین کی مظلومیت کے نام سے ہمیشہ کامیاب بناتے رہے۔

عبداللہ بن زبیر نے واقعہ شہادت امام پر حجازیوں سے اپیل کی، اور نو سال تک مکہ معظمہ پر مستقل حکومت کی۔ بنی عباس نے حسینی مظلومیت کے نام پر اپنی سلطنتوں کو قائم کر کے بنی امیہ کی قوتوں کو پاش پاش کر دیا۔

بنی فاطمہ کے فتوحات افریقہ، حجاز، عراق، اسپین، میں حسینی قوت کے سہارے پر قائم ہوئیں۔ آج عالم کا چپہ چپہ حسینیت کے زیر نگیں ہے۔ حسینیت کو مٹانا، اس پر مزاحمت کرنا اسلامیت سے دشمنی، انسانیت سے دشمنی، تمدن اسے دشمنی ہے۔

وہ ہتھکڑیاں، بیڑیاں، طوق، جو انسانیت کے ننگ و ذلت سمجھیں، ہندوستان میں آزاد و خود مختار شاہزادگان و سلاطین نے سنت کے طور پر دست و پا و گلو میں پہنا، اپنی عزت سمجھ کر فخر کرتے تھے۔ اُن کے جوش، ولولہ، اُمنگ کا کیا پوچھنا، جب وہ یا حسین یا عباس کے نعرے مارتے ہیں، اُن کو جان پر کھیل جانا، مرمٹنا، ایک ادنیٰ بات ہے۔

تیرہ سو سال گذرنے پر بھی اُن کی بے ترتیبی، بے تنظیمی، بے ترتیبی کے باوجود اور قومی لیڈروں کی نا قابلیت کے باوجود حسینیت کے پرستاروں کا غیر فانی جوش و خروش کو مجالس و محافل حسینی میں آج بھی اگر دیکھنا ہو دیکھ سکتے ہیں۔

فلسفۂ شہادت پر غور کرنے والے کے لئے شرافت، عزتِ نفس و خود داری حاصل ہوتی ہے۔ اسی اصول سے کسی لالچ، طمع یا سخت سے سخت ترین مصائب و خوف سے ہٹنا، اپنی جان، مال، عزت، اولاد و اطفال، اعزا، جان نثاروں کو سخت ترین مصائب میں مبتلا ہو کر قتل ہو جانے دینا۔ دشمنوں سے چھوڑ دینا، یہ وہ تنہا میدان میں دشمنوں کے نرغے میں گھر کے رہے ہوئے ہے۔

الموت اولیٰ من رکوب العار

موت کو ننگ و عار کے مقابلے میں ترجیح دینا، خود پرست، مستبد، ظالم و خونخوار، عیش پرست، بدکار، بد اخلاق، یزید ایسے

پرشوکت و پرقوت کی حکومت کو تسلیم نہ کرکے بیعت نہ کرنا ، اس سے
زیادہ شرافت و عزت نفس ، بلندی ہمت کی ایک انسان کے لئے
اور کون مثال ہو سکتی ہے ، اپنی اصولی ضد پر قائم رہکر قوم کو ایسی غیرت
نفس پر ڈھال دیا کہ بقیۃ السیف بچہ عورتیں بلکہ بعد کی کل نسل
سرمایہ پرست ، جبار و قہار سلاطین اموی و عباسی سے ہمیشہ جنگ
گریز کریں ، اور کبھی بیعت کا خیال بھی نہ کریں ، اور انتہائی مصائب
جھیل کر جانیں دیدیں ، زندہ دیواروں میں چنے جاویں ، آگ سے
جلائے جاویں ، ساری عمر تنگ و تاریک قیدخانوں میں بسر کردیں ،
دست و پا و زبانیں کٹوائیں ، کوڑے کھاویں ، لیکن ان جابر سلطنتوں
کی اطاعت نہ کریں ۔

اور آج بھی امام کے پرستار ان کی تعلیم کی پختگی و صداقت
کے سوا دشمنوں کے آئین و اصول پر نفریں و حقارت کی نظر سے
دیکھیں ۔

یہی تعلیم حسینی کی تاثیر ، یہ ہے شرافت و عزت نفس خوداری کا
حسینیوں کی تاریخ اسلام میں صدیوں پیروان حسینؑ کے خون کی
ہولی کھیلی گئی ، مگر ان کوہ وقاروں نے ذرہ برابر تزلزل و تذبذب
نہ کیا ، حسینی تعلیم نے اپنے پرستاروں کو ان گھنونے رذائل ، اور
کمینہ اخلاق سے بچا کر قعر مذلت سے آسمان رفعت پر پہونچا دیا ،
جس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے ۔

تمدن عرب کی تباہ کاری، دیکھو تاریخوں کو اُس وقت کی عالمگیر عیش پرستی میں کیا شر بدرنگ تھا عصمت مآب عورتوں کی بے جھجک عصمت دری، شراب خوری، زناکاری، بے اندازہ غلام وکنیز سازی صحیح وتندرست انسانوں کو خصّی بناکر خواجہ سراؤں کے محلات کی آبادی، عزت داروں، شریفوں کی بے عزتی، داڑھی مونچھیں منڈوا دینا، سرِ بازار کوڑوں سے پٹوانا، اتنا بزرگان ملت کو مارنا کہ کسی کی پسلی ٹوٹ جاوے، کسی کو ختنی ہو جاوے۔

ماں بہنوں کو عیش پرستی میں نہ چھوڑنا، بخطاؤں کے مکانات کا اسباب لوٹ کر آگ لگانا، حیوانیت وبہیمیت کی انتہا نہ تھی، بجبر دوسروں کی ماں سے نکاح کرنا، اور سر دربار اُس کی ماں کی شرمگاہ کی ہجو کرنا، محبوب لونڈی کی میت کو تین روز دفن نہ ہونے دینا، اور میت سے بیہمانہ بدفعلی کرتے رہنا، یہاں تک کہ میت میں بو پیدا ہو کر فاسد ہو جاوے۔ وغیرہ وغیرہ۔

تاریخیں دیکھو، وہ کون سی رذالت وبدکاری نہ تھی جس کا دور دورہ نہ ہو، جب انسان ایسی پستی وذلت میں گرفتار ہو، اُس وقت قوم کی صحیح رہنمائی کرکے دنیا کے شدید ترین مصائب وتکالیف برداشت کرکے اگر کسی گروہ کو ایسی فحاشیوں سے بچا لیا جاوے، اور اعلیٰ منازل انسانیت پر پہونچا دیا جاوے تو بیشک بزرگ ترین خدمت خلق ہے، اور ایسا رہبر عالمگیر پیشوائی کے

قابل ہے ،

یہ صرف حسینی عملی تعلیم کی پُر زور تاثیر تھی جس نے اپنے پیروؤں کو بچا کر عام انسانیت سے ممتاز کر دیا ، محض اپنے پیروں کو نہیں بلکہ انھیں حکومتوں کے تحت حکومت سے اقرار و اعتراف کی پُر زور صدائیں بلند ہونا شروع ہوئیں ۔ یزید کے تخت و تاج کا مالک معاویہ بن یزید کی تاریخی شاہی پہلی تقریر کو سُن لو جو آج تک فضاء عالم میں گونج رہی ہے ۔

خلیفۃ المسلمین مامون رشید کا محفل علماء میں زبردست مناظرہ تاریخوں میں پڑھو ۔ عورتوں کی بے جھجک دربار دنیا میں تقریروں کو دیکھو دنیا کے اعظم ترین مسائل کی حل میں حسین کی عملی تعلیم کے اثرات کو دیکھو ۔ کون نہیں جانتا عمرانیات کے اعظم ترین مسائل حسب ذیل ہیں
قومی جہالت کو دور کرنا ، قومی افلاس مٹانا ، قومی آزادی ، قومی انتشار کی تنظیم ، امن و امان و سلامتی کی ضمانت ، قومی وقار قائم کرنا ، اصلاح و معاشرت ، قوم کو ہر دلعزیز بنانا ۔
حسینؑ کی عملی زندگی سے ابدالآباد انسانوں کو یہ سبق ملیں گے ۔

قومی جہالت دور کرنا

امام کو کب یہ موقع ملا کہ وہ اپنے لامتناہی علوم سے قوم کو فیضیاب فرماتے وہ خود اپنی معذوری کا اپنے شعر میں اس طرح سے اظہار فرماتے ہیں " بہت سے وہ علم ہیں کہ اگر میں اُن کو ظاہر کر دوں تو لوگ کہیں گے کہ یہ بت پرست

ہیں۔ اور مسلمان میری خونریزی حلال سمجھ گئے۔ اور ہر بُرائی کو دیر سے سمجھے ہیں گے۔"

باوجود اس کے امام نے چھ سات گھنٹوں میں میدان کربلا میں، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، معاشرتی، وہ وہ سبق پڑھائے جس کی نظیر نہیں ملتی، اعظم علوم اور اشرف ترین علوم علم الٰہیہ اور علوم نفسیاتی اور علوم روحانیہ ہیں۔ امام کے ہر ہر عمل میں اسرار علوم کا جس طرح سے انکشاف ہوا اُن کی شہادت کے تفصیلی واقعات بیش بہا علمی خزانے ہیں جن سے ابدی زندگی کے سبق ملتے ہیں۔

اسی کو زبان حال سے جاں نثاران امام کربلا میں جہالت کے پردے ہٹنے پر پکار پکار کر کہتے تھے "دیکھو حوران جنت غرفوں سے منھ نکالے ہم کو بلا رہی ہیں"

کوئی کہتا "رسول خدا و علی مرتضیٰ جنتی پانی کے چھلکتے جام لئے ہوئے ہمارے منتظر ہیں" جاں نثاران حسینؑ میں وہ کشف و دوربینی پیدا ہو گئی تھی جو مکاشفہ یوحنا سے کم نہ تھی۔ وہ حقایق آخرت کو آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے حق کو باطل سے جدا کر کے آنے والی نسلوں کو عین الیقین کا درجہ دیدیا تھا۔ اور وہ علوم و حقایق بتا دئے تھے جس سے حکومتیں گھبرا گھبرا کر سراسیمگی سے اقوام بیرونی سے مدد لینے پر مجبور ہوئیں۔

ہند، افغان، یونان، افریقیہ، روم سے کتب علمیہ کے

ذخائر منگا کر عربی میں ترجمے کراتے اور علماء اہل سنت و خلافت کو درباروں
میں جمع کر کے عالمان علوم الہیہ سے ائمہ ہدیٰ سے علمی مناظرے کراتے
اور ہزیمت و شکست علمی کے درپے ہو گئے تھے۔ دیکھو تاریخوں میں
ان مناظروں کی صحبتوں کو جب اس طرح سے بھی ان کو کامیابی
نہ ہوئی تو حکومتی زور و دباؤ سے ان سے میل جول ترک کرایا گیا، اور
تنگ و تاریک قید خانوں میں بند کر دیا گیا، مگر پھر بھی جیلوں کا اشاف
ان کی خداداد علمیت سے مسخر ہو جاتا، جس کو حکومت بار بار تبدیل
کرتی رہتی۔

حکومت کی جانب سے پر زور پروپیگنڈا ہوتا کہ بنی ہاشم ساحر
ہوتے ہیں ان کے پاس بیٹھنے سے لوگ مسحور ہو جاتے ہیں۔

قومی افلاس، اقتصادی مشکلوں کا حل

سب سے زیادہ یہ ہے کہ انسان میں قوت
برداشت و تحمل بڑھائی جاوے۔ دنیاوی نعمتوں کے فانی و زوال
پذیری اور بے حقیقت و کم قیمت سمجھ لے۔ دنیا جن چیزوں کو نعمت
سمجھے ہوئے ہے، اور جس کے لئے مر مٹنے، اور ہر کمینہ پن اختیار کرنے پر
تلی رہتی ہے، اور زندگی کا ما حصل سمجھتی ہے۔ اس کو ان کا مصلح اپنی
روحانی اور عملی قوت سے بے قیمت و بے حقیقت بنا دے۔

حسینیت کا سب سے بڑا کارنامہ تو یہی ہے۔ اہل دنیا نے
اور مادہ پرستوں نے جس چیز کو ماحصل زندگی کا بنا رکھا تھا، اور

روحانیت کو بیٹھے تھے۔

اُن دنیاوی محبتوں اور غیرتوں کو خاک میں ملا دیا۔ ساتھ ہی اُسکے صحیح دنیاوی ترقی اور دنیاوی تونگری کا صحیح راستہ بتایا۔ جس وقت رعایا کا مال اُن کی محنت و مزدوری کا پیسہ حکومت و سلطنت کی عیش پرستی میں صرف ہو۔ اُس وقت ایسی حکومت کا بائیکاٹ کرکے اُس کو تاخت و تاراج کردو۔ اور اپنی محنت کا ثمرہ براہ راست خود حاصل کرو۔ اور ہر انسان کی کمائی یعنی ملکی ضروریات انھیں کے ہاتھوں پورے ہوں۔ حکومت و اسٹیٹ کو کوئی دخل نہ ہو۔

سڑکیں بنانا، باغ لگانا، سایہ دار درختوں کو راہ پر نصب کرنا نہریں جاری کرنا، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں، اسیروں کی پرورش مریضوں کی تیمارداری علاج، کنوئیں اور نہریں بنانا، مسافرخانے مسجدیں تعمیر کرنا، پل بنانا۔ غلام و کنیز آزاد کرنا، درسگاہیں اور صنعتی تعلیم وغیرہ وغیرہ۔

غرض رفاہ عام کا ہر کام سب کی سب ملکی ضرورتیں، افراد قوم کے ہاتھوں پوری ہوں، اسٹیٹ کو دخل نہ ہو۔ دیکھو اسلامی حدیثوں کی کتابوں کو کتنی تشویق و ترغیب دی گئی ہے۔ اور کس قدر اُخروی ثواب بتائے ہیں۔

اسٹیٹ کے ہاتھ میں ان ضرورتوں کو دے کر یہ موقع نہیں دیا ہے کہ اسٹیٹ اپنے ضروریات کو قومی ضروریات پر مقدم کرے

اسلامی کمیونزم اور موجودہ کمیونزم میں آسمان وزمین کا فرق ہے، اور اس سے بہتر اقتصادی مشکلوں کا حل ممکن نہیں ہے۔

امام حسینؑ نے مستبد و سرمایہ پرست حکومت کے مقابلے میں اسی لئے اپنی گردن کٹائی۔ اس شہادت سے صحیح کام لیا جاتا تو آج مسلمان مستعمرات کا مال نہ ہوتے۔

قومی آزادی جب کہ قومی ذہنیت و ضمیر و فکری آزادی سلب ہو جاوے۔ شہری حقوق چھین کر چند سرمایہ داروں کے ہاتھ میں آجاویں۔

اُس وقت قوم کا فریضہ ہے کہ جان، مال، اولاد، محبوب سے محبوب چیز کو عزیز نہ کرے؛ اور حصول آزادی میں ہر شئے کو نثار و قربان کر دے۔ جس کا عملی ثبوت امام حسینؑ نے دیا، اور جن دلوں میں آزادی کی سچی تڑپ تھی، اُن کو باہر باہر سے بلا کر اپنا شریک کار بنایا، اور جن کے دلوں میں حریت و آزادی کا سچا جذبہ تھا اُن کو مدینہ سے چلتے وقت بھی ساتھ نہ لیا، اور جو ساتھ ہو گئے تھے اُن کو بھی پاس سے ہٹا دیا، اور بتا دیا کہ ظاہری بھیڑ بھاڑ، اور کثرت نفوس اصل کامیابی کا ذریعہ نہیں ہوتا۔

امام علیہ السلام نے اس بات کو عملی طور پر واضح کر دیا کہ اُن کی تحریک میں کسانوں کی شرکت بھی ضروری ہے، جو قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں اور ہر انقلابی تحریک کی جان ہیں، اس لئے کربلا پہنچتے ہی کسانوں

بنی اسد کو جو کربلا سے قریب تھے طلب فرما کر زمین کو خریدا اور پھر انھیں کو زمین ہبہ فرما دی، اور اپنی لاشوں کے دفن کی وصیت فرمائی آپ نے بقائے تحریک کے لئے اُن کی جانوں کا مطالبہ نہ کیا، اور قتل سے بچا لیا اس طرح سے نہایت مدبرانہ طور پر زن و مرد و بچوں کو اپنی تحریک آزادی میں شریک فرمایا، جو کم از کم آج تک حسینی میں، دنیا آج اس کو سمجھی، اور روسی انقلاب میں پورا ہاتھ کسانوں کا رہا۔ لینن، مارشل استالن وغیرہ آج بھی امام کا چھوڑا ہوا سبق دہرا رہے ہیں۔

قومی تنظیم

قومی انتشار و بے ترتیبی و بے [illegible] سے بچانے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ قوم کا دماغی توازن اور فکری یکسوئی و یکرنگی کو ایک ہی مرکز پر لایا جائے، اور اس خوبی سے کہ اس میں تشدد و تحکم نہ ہو۔ امام نے کس خوبی سے غیر متشددانہ و غیر تحکمانہ طریق سے اپنی مظلومیت و ہمت و ثبات و استقلال کی بنیادوں پر تنظیم قوم کا عملی سبق کربلا والوں کو دے کر ایسی تربیت کی جو آنے والی نسلوں کے لئے انتہائی سبق آموز ہے۔

قومی امن و امان کی ضمانت

یہ اصول کہ زندگی کے ساتھ سب دنوں زندہ رہنا یہ کوئی زندگی نہیں ہے۔ آج کل اقوام عالم کی زندگی پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ فرد فرد نا امنی، خوف و ہراس و اضطراب کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

ایسی پر خطر اور کشمکش کی زندگی زندگی نہیں ہے۔ فلسفہ زندگی
سے یہ قومیں بالکل جاہل و ناآشنا ہیں۔

امام نے اپنی شہادت اور اسوۂ حسنہ سے اقوام عالم کو صحیح امن و امان و سلامتی کا پیغام دیا ہے، اور اپنی قربانی دے کر فلسفۂ زندگی کو سمجھا دیا ہے۔ اُن کی پیروی ہی میں امن و امان و سلامتی و حیات جاوید و بقائے صالح ہے۔ شہادت امام سے اس وقت تک کی اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھو۔

حسینی قوم کی بقاء و زندگی میں آج تک جو رکاوٹیں اور مزاحمتیں کی گئیں، اور اُن کو من حیث القوم جس کشمکش کے دور سے گذرنا پڑا، اس کی نظیر اقوام عالم میں مشکل سے ملے گی، باوجود اس کے یہ قوم کس طرح سے زندہ ہے اور روز افزوں ہے۔

اگر حسینی تعلیم کے اصول کو صحیح روشنی میں دیکھو اور اُن پر پوری کوشش سے عمل پیرا ہو تو ماننا پڑے گا کہ بیشک حسینی اعمال اقوام عالم کے لئے سلامتی و امن و امان و بقاء حیات کے ضامن ہیں۔

قومی عشرہ و وقار امام حسینؑ ہی کا کام تھا۔ جن قوموں سے امام حسینؑ کا سابقہ تھا سب کے سب متحد طور پر حسینی وقار کو خاک میں ملانے پر تلے ہوئے تھے، آج بھی انھیں قوموں کی اولادیں، اُن کے نام لیوا ہیں۔

امام حسینؑ اور اُن کے طرفداروں کے وقار کے مٹانے پر اڑی ہوئی

کا زندہ ہے ہیں لیکن ہر مفکر دیکھ سکتا ہے کہ امام حسین کی اس پرخلوص قربانی نے عالم انسانیت کو کس طرح سے اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ اور اُن کی عزت وقار کا سکہ اقوام عالم کے دلوں پر کس طرح اُبھرا ہوا ہے۔

اصلاح معاشرت حسینیت ہی کے نام پر جس قدر اصلاح معاشرت ہو سکتی ہے وہ ہرطاقت کسی چیز پر نہیں ہے۔ مذہب کے نام پر اصلاح غیر مذاہب لا مذہبوں کے لئے غیر موثر ہے۔ فسطائیت، نازیت، سامراج، جمہوریت، اشتراکیت، کمیونزم، انارکزم، وطنیت، قومیت، رنگ، روپ، زبان، ملکی خوا ئیت، سب میں کشمکش حیات ناگزیر ہے اور کسی چیز پر ان میں سے سب کا اتفاق ناممکن ہے۔

سحر تمدن کی الٹ پھیر سے کبھی جرائم داخل تہذیب و تمدن ہوتے ہیں، کبھی وہی جرم و بربریت، وخلاف تمدن ہو جاتے ہیں۔ لیکن حسینیت و مظلومیت وہ لازوال و محکم ترین مرکزیت ہے جس میں تنازعہ تصادم کشمکش کا شائبہ نہیں ہے۔

دنیا جب تک قائم ہے مظلومیت سے ہمدردی، محبت، عزت قائم رہے گی یہ اصلاح معاشرت کا پرزور ذریعہ ہے۔

حسینیت کا وہ عز و وقار ہے کہ واقعات شہادت کے صحیح جاننے والے آج بھی اس عزت کے مالک کے آگے جھک جاتے ہیں۔

جیسے ان کے نانا کبھی کبھی نواسہ کو خوش کرنے کے لئے پیٹ پر سوار کر کے جھک جاتے تھے، جاں نثاران حسین کی تہذیب و تمدن و معاشرہ کو تاریخوں میں پڑھو تو معلوم ہوگا کہ وہ اخلاق و تہذیب کے مجسمہ خود آئندہ نسلوں کے لئے اصلاح معاشرت کی معلم ہے۔

قوم کی ہر دلعزیزی کا اساس بھی مظلومیت، خیر خواہی جاں نثاری فداکاری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

یہی وہ چیزیں ہیں جو براہ راست ہر مذہب، ہر قوم، ہر ملک، ہر انسان سے ہمدردی و محبت کی اپیل کرتی ہیں۔

حسین کی مظلومیتوں کے دفاتر الٹتے جاؤ ہر مظلومیت کے سبق میں انسانیت کے جذبات میں طلاطم خیز طوفان برپا ہوگا۔

زندگی کے مسائل حل کرنے کا سبق ضروریات زندگی میں جتنی کمی ہوا اور جس قدر ذاتی ضروریات انسان کے کم ہوں۔ ساتھ ہی عام انسانوں کے ضروریات کی وسعت کو سمجھے اور نوعی ضروریات کی فراوانی کو اپنی ضروریات پر مقدم قرار دے، اسی قدر وہ شخص اپنے مسائل زندگی کو آسانی سے حل کر سکتا ہے۔ امام حسین نے اپنی مادی جسمانی ضروریات کو ختم کر کے اور بنی نوع کی ضروریات کی فراوانی و وسعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے ہر شعبہ کی مشکلات کو اس طرح سے حل کر لیا کہ عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ جن محبوب چیزوں کے تلف ہونے کو

انسان مصیبت و تکلیف سمجھتا ہے۔ اُسکے سامنے پیچیدہ و مشکل مسائل ہمیشہ آتے رہتے ہیں۔ امام حسینؑ نے اپنی قوت برداشت و تحمل و صبر سے محبوب ترین اشیاء کے تلف ہونے کو اپنے لئے آسان سمجھ لیا تھا اسلئے لرزہ خیز و زلزلہ انگیز مشکلات کا بسہولت خاتمہ کر دیا۔

وسیع النظری | معمولی شکایتوں کا ذکر بھی کیا ہے، امام حسینؑ نے بڑی سی بڑی نا قابل عفو شکایتوں کو بھلا کر خاموش قبر رسولؐ کے مجاورین بیٹھے۔ ولید کی گستاخانہ طلبی اور مروان کی جرأت و گستاخانہ بے ادبی، حُر کی راہ کو قدم میں مزاحمت ... فرات سے خیموں کا اُکھاڑا جانا۔ دشمنوں کی سخت کلامیاں سب سہہ گئے تاکہ یزید سے مصالحت کا دروازہ کھلا رہے، اور بار بار یزید سے براہ راست گفتگو، یا حدود مملکت سے نکل جانے کی خواہش فرماتے رہے۔ وسیع النظری سے اس لئے کام لیا تاکہ شامیوں اور کوفیوں کی بہبودی ہو، اور قتل حسینؑ کے اس بدنما داغ جس سے ابد تک لعنت میں سب گرفتار ہو گئے بچالیں، اور بار بار سب کو عواقب سمجھاتے رہے، حتیٰ کہ قاتل تک کو آخر وقت قتل سے یہ کہکر روکا "میں چند منٹ کا اب کثرت جراحات کی وجہ سے مہمان ہوں، میرے خون سے اپنے ہاتھ رنگ کر ابدی رسوائی نہ مول لے" کیا عالم میں اس وسعت نظری و خیر خواہی کی نظیر ممکن ہے؟

صبر کا سبق | صبر و استقلال و ہمت و ایثار و قربانی کے

یکہ امام نے بیک وقت جن مصائب و شدائد میں محیر العقول صبر و استقلال سے کام لیا تاریخ نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔
کیا ہر انسان امام کے اس عملی سبق سے نہیں سمجھ سکتا کہ ہر اصولی کامیابی کے لئے کائنات کی بڑی سی بڑی قوت انسان کے مقابلے میں اس قوت، و مردانگی سے ثبات و استقلال کا مظاہرہ نہیں کرسکتی۔ حصول مقصد میں تمام رکاوٹیں انسانی صبر و استقلال کے مقابلے میں مغلوب کیجا سکتی ہیں۔
اب دیکھو علوی تعلیم کی روشنی میں حسینی عملی تعلیم کی قوت و تاثیر کا قرار کرنا ہو گا جو علی نے فرمایا حسین نے اس کو عمل کر کے دکھایا اس لئے ماننا پڑے گا کہ علیؑ و آل علیؑ وہ مقدس اور فوق العادت ہستیاں ہیں جو انسان کی رہبری و پیشوائی کے لئے بہترین ذاتیں ہیں۔ انھیں نے انسان کو فلسفہ زندگی سمجھایا، اور اُسی کی قولی و عملی تعلیم دی، اور پیشوائے عالم بننے کا استحقاق پیدا کیا۔
مبارک ہیں وہ قومیں جو علی و آل علیؑ کی تعلیمات پر صحیح اور اور بے لاگ غور کریں، اور اُن پر عمل کر کے انسانیت کی زندگی اختیار کریں۔

حکیم الامت علامہ ہندی
بی سی ۱۹۲۹ء